ناولٹ

فوزیہ احسان رانا

لمحوں نے خطا کی تھی

''مگر میں تمہیں اپنی فیملی سے ملوانا چاہتی ہوں۔'' اریز کا حلق یک دم ایسے کڑوا ہو گیا جیسے اُس نے کونین کی ڈھیر ساری گولیاں ایک ساتھ چبالی ہوں۔ ''اریز میں چاہتی ہوں کہ تم میرے گھر والوں سے مل لو۔'' فروا نے اپنی بات دہرائی۔ اُسے لگا شاید اریز نے سُنا نہیں۔ ''مگر کیوں، کس لیے۔''

اُس دوشیزہ کی کتھا، جس کی ایک لمحے کی خطا نے اُس کی ساری زندگی کو مجسم خطا بنا ڈالا تھا **تیسری کڑی**

''دھیان سے کچھ کھا لینا۔''

''جی ضرور۔'' فروا کہتی ہوئی باہر نکلی اپنے پرس میں سے چھوٹا شیشہ نکال کر لبوں پر لپ اسٹک لگائی، ہونٹوں کو پھیلا کر آئینے میں دیکھا پھر دوبارہ لپ اسٹک اور شیشہ پرس میں ڈال کر باہر نکلی۔

گھر سے تھوڑے سے فاصلے پر اُسے رکشہ مل گیا۔ اگلے ہی لمحے رکشے اندھا دھند اریز کے گھر کی طرف بھاگ رہا تھا۔ ماڈل ٹاؤن B میں رکشہ رُکا۔ فروا کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ اُس نے پرس سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر رکشے والے کو تھمایا۔ رکشے والے کے پاس بقایا دینے کے لیے نہیں تھا۔ اُس نے اپنی مجبوری بتائی۔ فروا نے سارے رکھنے کا عندیہ دیا تو چند ثانیے رکشے والا ٹکر ٹکر اُسے دیکھتا رہا۔ اس قدر مہنگائی میں اتنا دیا لو ہونا۔ اُسے اس لڑکی کی دماغی حالت پر شبہ ہوا مگر پھر کندھے اُچکاتا دانت نکوستا رکشہ لے بھاگا۔

فروا شاندار بنگلوز کی لائن میں کھڑی نمبر پلیٹ پر نگاہیں گھما رہی تھی پھر 'ابرار چوہدری' پر اُس کی نظریں تھم گئیں۔ اُس کی نظریں گیٹ سے شروع ہو کر اوپر اُٹھی تھیں۔ اتنی بلند و بانگ، آسمان کو چھوتی عمارت، فروا کی آنکھوں تلے اندھیرا سا چھانے لگا، سر گھوما، نظر جھک کر پیروں سے جا لگی۔

اُس نے اسٹائلش سی انڈے کی شکل کی بیل کو ہلکا سا دبایا، مدھری گنگناہٹ گھر کے اندر کسی رسیلے سُر کی طرح بکھری تھی۔ فروا کا دل عجیب بے کل سا ہو کر دھڑ دھڑ کرنے لگا۔

''واؤ زبردست، ویلکم مجھے یقین نہیں آ رہا۔'' تبھی اریز دروازے میں سے نکلا تھا۔

''یقین کیوں نہیں آ رہا۔'' فروا نے جذبے لٹاتی نگاہیں اریز کے دل آویز چہرے پر ٹکا دیں۔

''بس یار خواب سا لگ رہا ہے سب۔ آؤ اندر آؤ۔'' اس نے لپک کر فروا کی کلائی تھامی۔

''یہ خواب نہیں مسٹر، زندہ حقیقت ہے کہ میں تمہارے گھر آئی ہوں۔'' اُس کا دل اب بھی بے ہنگم انداز میں دھڑک دھڑک کر بے حال ہو رہا تھا مگر بظاہر وہ خود کو بااعتماد شو کر رہی تھی۔

''ہاں یہ حقیقت ہے مگر کاش مجھے یقین آجائے۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر اک ادائے خاص سے ذرا سا جھک کر بولا تو فروا ہنسنے لگی۔

گھر بہت عالیشان تھا فروا نے دل ہی دل میں سراہا مگر گھر میں خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ کسی اور کا وجود اتنے بڑے گھر میں دکھائی نہیں دے رہا تھا یہ خیال اُسے چھو کر بھی گزرا نہیں تھا۔ بس اس بھید بھری خاموشی میں سرخ روش پر فروا کی ہائی ہیل کی ٹک ٹک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ذرا کی ذرا نظریں اُٹھا کر دیکھتی، یہ عمارت کیسی تمکنت سے سر اٹھا کر کھڑی تھی۔ کیا شاہانہ اسٹائل تھا۔ اریز اپنی سنگت میں اُس کا ہاتھ تھامے سیدھا اپنے بیڈروم میں ہی لے آیا تھا۔ فروا ذرا سی جزبز ہوئی۔ کسی اجنبی جوان لڑکے کے کمرے میں آنے کا اُس کا پہلا اتفاق تھا۔

''میرے بدن میں ایک چٹکی تو کاٹو فروا رحمان تاکہ مجھے آجائے کہ تم نے سچ مچ میرے غریب خانے کو رونق بخشی ہے۔'' اریز کی نیم وا آنکھوں میں شرارت بھرا تبسم تھا۔

''کاٹو نا......'' وہ بضد تھا۔ فروا نے تنگ کر اریز کے بازو میں زور کی چٹکی نہیں، چٹکا کاٹا۔ اب اُس نے واویلا مچانا شروع کر دیا۔ چٹکی والی جگہ کو مسلسل مسل رہا تھا۔

''آیا یقین۔'' فروا شرارتی مسکان لبوں پر سجا کر استہزائیہ لہجے میں بولی تو وہ پیار بھری خفگی سے اُسے گھورتا، فروا کی ناک کھینچ کر کمرے سے نکل گیا۔ فروا اُس کی بے تکلفی پر غور کرنے لگی، کیسے لمحوں میں بے تکلف ہو گیا تھا۔

اریز کا بیڈروم خصوصی توجہ مانگتا تھا اور فروا اریز کے باہر نکلتے ہی پورے انہماک و دلچسپی سے بیڈروم کا جائزہ لینے لگی، بیڈ کی سجاوٹ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ قیمتی فرنیچر، مخملیں صوفے، دبیز ریشمی پردے خوبصورت اور پُرآسائش کمرہ، خواب ناک ماحول، بیڈروم کی ہر چیز توجہ کھینچ رہی تھی۔ فروا مسحور و مبہوت سی دیکھے جا رہی تھی۔ کمرے کی فضا میں کسی غیر ملکی ایئر فریشنر کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ دلفریب سی خوشبو فروا کے حواسوں پر چھاتی جا رہی تھی۔

''کیا میں مرعوب ہو رہی ہوں۔'' فروا نے خود سے سوال کیا۔ اُس کے بیڈروم میں بھی کسی چیز کی کمی نہیں تھی مگر یہ سچ تھا کہ اریز چوہدری کے بیڈروم کی ہر چیز سے امارت ٹپکتی تھی۔ ہر چیز اپنی قیمت خود بتا کر اپنی مانگ میں اضافہ کر رہی تھی۔

تبھی اریز ہاتھ سے ٹرالی دھکیلتا اندر آیا، ہلکے سے کھٹکے پر فروا چونکی۔

''ارے میں کوئی مہمان تھوڑی ہوں جو تم نے اتنا انتظام کر لیا۔'' فروا نے کوکس کے ساتھ طرح طرح کے بسکٹس، نمکو، مٹھائی اور پزے کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ تو ہلکا پھلکا سا ابتدائیہ ہے جانِ من، تم مت بھولو کہ ہمیں لنچ اکٹھے کرنا ہے۔'' وہ اک ادائے دلبری سے بولا تو فروا نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

''اگر تم آج بھی نہیں آتیں تو میں نے پھر تم سے روٹھ جانا تھا۔'' اریز نے بوتل میں اسٹرا ڈال کر فروا کو بوتل تھمائی اور پھر اپنی بوتل کھولنے لگا۔

''میں منا لیتی۔'' فروا ناز بھرے انداز میں اِترا کر بولی۔

''منانے سے بھی نہیں ماننا تھا میں نے۔'' اریز نے کہا تو فروا نے اُسے گھورا۔

''اچھا جی۔''

''ہاں جی۔'' اریز نے اُسی کے اسٹائل میں کہا۔

''پھر میں تمہیں چھوڑ دیتی کھڑوس، پلٹ کر بھی نہیں دیکھتی۔''

''پھر میں ہجر کے الاؤ میں دہک دہک کر انگارہ

بن کر بھسم ہو کر ختم ہو جاتا۔'' اریز کی بات پر فروا کی آنکھیں پانیوں سے دھندلا کر ڈبڈبانے لگیں۔

''کیا ہوا جان۔'' اریز نے فروا کو کندھوں سے پکڑ کر سینے سے لگا لیا اور دونوں باہم پیوست ہو گئے تھا۔

کچھ لمحے یونہی بے خودی کے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیتتے چلتے چلے گئے۔ پُرجوش اور مگن، پھر فروا چونک کر الگ ہوئی تھی۔ مگر اریز کے بازوؤں کے حصار میں جکڑی ہوئی تھی۔ اتنی آسانی سے علیحدہ کیسے ہوتی۔ بس یہ تھا کہ وہ خفت زدہ سی نظریں جھکائے کھڑی تھی۔ اریز کی پُرشوق نظریں اُس کے چہرے سے نیچے یہاں وہاں بھٹک رہی تھیں۔ اُس کی گرم سانسیں فروا کے بدن کو جھلسا رہی تھیں۔

''پلیز پلیز......'' فروا کا لہجہ ملتجی ہوا۔ پلکوں کی تتلیاں اُس کے عارضوں پر لرز رہی تھیں اور دل کی دھڑکنوں نے جیسے دوڑ لگا رکھی تھی اور اریز اُس کی سراسیمہ کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''پلیز چھوڑو اریز......'' اب کی بار اُس نے قدرے برہمی سے کہا، اریز کی بانہوں کا حلقہ ڈھیلا پڑ گیا۔

میرے لیے تو زمین پر بس اک ذات ہے تُو
اسی لیے تو میری پوری کائنات ہے تُو

''یہ شعر میرے جذبات کا ترجمان ہے فروا۔'' وہ والہانہ پن سے بولا۔ فروا اتنا شیریں لب ولہجہ سن کر کچھ نرم پڑ گئی۔ اندر کہیں دور شرمندگی نے سر اٹھایا تھا مگر اریز چوہدری کے محبت سے بوجھل اقرار نے شرمندگی کا سر کچل ڈالا۔

''فروا میں تم سے بے حد محبت کرتا ہوں۔'' اریز اک جذب سے آنکھیں موند کر بولا۔ یہ بھی اک ادا ٹھہری۔ فروا کا دل پگھلنے لگا۔ برہمی ہوا میں تحلیل ہونے لگی۔

''یہ خوبصورت پل، یہ تنہائی، نزدیکی کاش لمحے امر ہو جائیں۔ وقت تھم جائے۔ کبھی نہ گزرنے پائے۔ محبت کی شمع فروزاں رہے۔'' اریز نے وارفتگی سے فروا کو تکتے ہوئے دعا کی۔ ''کاش ہماری محبت، ملن بن کر ہمیشہ سلامت رہے۔'' اریز نے پھر کہا۔

''محبت پیاسی ہوتی ہے فروا اور اسے ہر وقت دیدار کی خواہاں رہتی ہے۔''

فروا بس اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑے جا رہی تھی۔ اُس کے کنوارے بدن نے آج محبوب کے لمس کا ذائقہ چکھا تھا۔ وہ ہوش وحواس کھو بیٹھی تھی۔ اُس سے کچھ بولنا تو درکنار، نظریں بھی نہیں اٹھائی جا رہی تھیں۔ اُس کا تن بدن دھیمی سی آنچ میں سلگ رہا تھا۔ اُس کا اس سے وہی حال تھا کہ عشق مہنگا پڑے۔ پھر بھی سودا کرے۔ سود وزیاں سے بالاتر سودا۔

''مجھے جانا چاہیے۔'' فروا نے کہا۔ نجانے کیوں اُس کا دل چاہ رہا تھا۔ فوراً یہاں سے چلی جائے۔ دل باغی ہو کر بغاوتوں پر اُکسا رہا تھا۔ دل اریز کے سینے میں گم ہو جانے کے لیے مچل رہا تھا۔ مگر وہ خسارے چاہ کر بھی نہیں خرید سکتی تھی۔

''میم آپ بھول رہی ہو کہ میں نے آپ کو لنچ پر انوائٹ کیا ہے۔'' اریز نے جتلایا۔ اُس کی نگاہیں مسلسل فروا کے سراپے میں اُلجھی ہوئی تھیں۔

''پھر کبھی سہی، ابھی مجھے گھر جانا ہے۔'' اریز نے اُس کے گال کو اپنی اُنگلی کی پور سے چھوا اور پھر شہادت کی اُنگلی گال سے گردن پر رینگنے لگی فروا بدک کر پیچھے ہٹی۔

''کیا کرتے ہو اریز، ڈونٹ ٹچ می۔'' فروا محبت کے اسرار ورموز سے نابلد سہی مگر اتنا ضرور جانتی تھی کہ اریز کا بار بار فروا کے قریب آنا اُن دونوں کے لیے قطعی ٹھیک نہیں ہے۔

''کیا ہو گیا ہے فروا، اتنی برہمی کا مظاہرہ کیوں کر رہی ہو، دقیانوسی لڑکیوں کی طرح۔''

دن کے اس پہر میں جادو تھا۔ وہ اس سے فروا کی ہمراہی کا طلب گار تھا تو وہ کیوں اتنی اجنبیت اور روکھے پن کا مظاہرہ کر رہی تھی، کیوں گریز پائی برت رہی تھی۔ اگر محبت کرتی تھی تو پھر ہاتھ کیوں کھینچ رہی تھی۔

''کیا وہ حقیقتاً محبت تھی جس سے وہ ہاتھ کھینچ رہی تھی۔ یا کوئی ایسی کشش جس کے بہاؤ میں بہہ کر لڑکیاں اپنا گوہر آبدار گنوا بیٹھتی تھیں اور خطا کار بھی وہی ٹھہرتی ہیں، مرد سدا کا پارسا۔''

''کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں۔'' اریز تحیر و تاسف میں گھرا سوال کرنے لگا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے۔'' فروا اٹک کر بولی۔

''اس وقت صرف یہ لگ رہا ہے کہ محبت کے راستے کا میں اکیلا مسافر ہوں۔'' وہ نروٹھے پن سے بولا۔

''اریز اس وقت ہم دونوں جذباتی کشمکش کا شکار ہیں۔ تم مجھے بار بار اپنے قریب مت کرو، میں تمہاری قربت کے طلسم میں قید ہو کر کمزور نہیں پڑنا چاہتی۔ پلیز ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔'' فروا رونے والی ہو رہی تھی۔

''تم مجھ سے ڈر رہی ہو کیا۔'' وہ مسکرایا اور پھر ملائمت سے فروا کا گال چھوا۔

''تمہیں ڈر لگ رہا ہے۔ خوفزدہ ہو، مجھ پر بھروسہ نہیں نا، تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچنے دوں گا۔'' مدھم لہجے میں کی گئی بات میں اثر ہونا چاہیے تھا، دل جیت لینے والا انداز تھا۔ وہ بس چپ چاپ دیکھے گئی۔ مگر بولی کچھ نہیں۔

''تمہاری جان اور عزت کی حفاظت کرنا میرے فرائض میں شامل ہے پگلی! کیونکہ تم میری جان ہی نہیں عزت بھی ہو، تمہیں محفوظ رکھنا، تمہاری حفاظت کرنا میری ذمے داری ہے۔'' اریز کا انداز بہت تحفظ دلانے والا تھا، بہت مختلف اپنائیت بھرا، فروا کو اچھا لگا خوف کا اثر زائل ہونے لگا۔

''بہت افسوس کی بات ہے کہ تمہیں لگتا ہے کہ میں نقب زنی کروں گا اور وہ بھی اپنے ہی گھر میں...... تم میری ہو اور اپنوں کی حفاظت کی جاتی ہے ڈفر، اُن کو لوٹا نہیں جاتا۔'' فروا نے دیکھا وہ مسلسل فروا کے چہرے کو تکے جا رہا تھا۔ اُسے سطر سطر پڑھ رہا تھا۔

''سوری اریز......'' اب اریز کی اتنی لمبی چوڑی وضاحتیں پا کر وہ شرمندہ ہو رہی تھیں۔

''تم پر میرا اور مجھ پر تمہارا مکمل حق اور اختیار ہے، مگر اپنے دل سے تمام خوف وسوسے اُکھاڑ پھینکو۔ میں نفس کا اتنا برا نہیں ہوں اور نہ ہی میرا کریکٹر لوز ہے۔'' اریز نے خفگی بھری نگاہ کی۔

''اچھا معاف کر دو۔'' فروا نے ہاتھ جوڑ دیے۔

''اچھا یہ بتاؤ گھر میں اتنا سناٹا کیوں ہے، باقی لوگ کہاں ہیں۔'' جو بات اُس احمق لڑکی کو سب سے پہلے پوچھنی چاہیے تھی۔ وہ اب پوچھ رہی تھی۔ اُسے ایسا کوئی خیال آیا ہی نہیں تھا کہ وہ دونوں اتنے بڑے گھر میں اکیلے ہیں۔

''ڈیڈی سنگاپور میں ہوتے ہیں وہاں اُن کا بزنس ہے، ایک بہن اور بھائی لندن پڑھنے گئے ہوئے ہیں۔ اور ممی آج کراچی گئی ہوئی ہیں ماموں کے پاس۔''

''اوہ اچھا......''

''پھر بے اعتباری......'' اریز نے محبت پاش نظروں سے گھورا۔

''ارے نہیں نہیں۔ اچھا یار کھانا کھلاؤ تاکہ میں جانے والی بنوں، پانچ بجے سے پہلے میں پارلر سے گھر پہنچ جاتی ہوں۔''

''ابھی تو صرف تین بجے ہیں یار، اور تم یہ کیا مڈل کلاس لڑکیوں جیسی حرکتیں کر رہی ہو، آج کل کون اپنی اولاد سے پوچھتا ہے۔ کہاں گئے کیوں

گئے کب آئے کب گئے۔"

"ہم لوگ اتنے بھی آزاد خیال نہیں ہیں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ ٹھیک ہے بابا نے کبھی ہم پر بے جا پابندیاں نہیں عائد کر رکھیں مگر شتر بے مہار بھی نہیں چھوڑ رکھا مسٹر۔" اریز نے ہوم ڈلیوری کے لیے شہر کے مشہور ہوٹل فون کیا۔ دونوں نے اکٹھے کھانا کھایا۔ وہ اپنی گاڑی میں فروا کو بٹھا کر پارلر کے سامنے چھوڑنے آیا۔

"سنو میں ہر بات برداشت کرسکتا ہے مگر تمہاری بے اعتنائی اور بے اعتباری نہیں، دھیان رکھنا۔" اریز کی بات پر فروا نے اثبات میں سر ہلایا اور بائے کہہ کر چلی گئی۔

☆......☆......☆

اخبار میں چھپی صبا زمان کی تصویر نے رحمان اور عائشہ کو کیسی جلن کڑھن میں مبتلا کیا تھا۔ یہ کوئی بتانے والی بات تو تھی نہیں۔ دونوں میاں بیوی کے اندر تک سناٹوں کے ساتھ کوئی اور چیز بھی بے حد برق رفتاری سے پھیلی تھی، دکھ، حسد، شاک...... ہاں احتشام اور عروہ کو اندر سے بہت خوشی ہوئی تھی کہ اُن کی کزن ہے وہ لڑکی جس کی پورے شہر میں واہ واہ ہو رہی تھی اور ریان ابھی ایسی چیزوں سے واقف نہیں تھا اور فروا کی تو آج کل پوری توجہ اریز چوہدری نے سمیٹ رکھی تھی۔ اُس کے اطراف میں کیا ہو رہا ہے؟ کون خوش ہے؟ کون آزردہ؟ فروا رحمان کو کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ محبت کرنے والی اور خیال رکھنے والی بہن یا بیٹی تو کبھی بھی نہیں تھی مگر آج کل تو عجیب خود فراموشی کا عالم تھا۔

آج فرقان کی فیملی رحمان کے گھر مدعو تھی۔ یہ کھانا تو بقول رحمان فرقان کے مل بیٹھنے کا بہانہ تھا، گپ شپ لگائی جاتی، بچے بھی آپس میں وقت گزار لیتے۔ مگر آج صبا زمان کا موضوع نا چاہتے بھی اِن دو گھروں کے مکینوں کی نوکِ زباں پر ٹھہر ارہا۔

"کیا پتا یہ وہ والی صبا زمان نہ ہو، کوئی اور ہو۔" فرقان نے کہا تو عائشہ اور رحمان کا دل بیک وقت دھڑکا اور شدت سے یہ خواہش دل میں اُبھری۔

'کاش یہ کوئی اور صبا ہو' مگر ضروری تو نہیں کہ انسان جو خواہش کرے وہ پوری بھی ہو اور ہر بار ہو۔ لبنیٰ حقیقت سے آگاہ تھی مگر اُسے تصدیق کے لیے تائید کرنا مہنگا پڑ سکتا تھا۔ اس لیے اُس نے سختی سے اپنے ہونٹ بھینچ رکھے تھے مگر دل ...... سرتاپا بھرتا جارہا تھا طمانیت سے احساسِ تفاخر سے۔

"یہ وہی والی صبا ہے، دیکھ رکھا ہے میں نے اِس کلموہی کو۔" عائشہ نے حقارت سے کہا۔ رحمان کو سانپ سونگھ گیا اور وہ غصے سے دانت پیسنے لگا اور پھر اپنی پاکٹ سے سیل فون نکال کر کوئی نمبر ملانے لگا مگر کال آگے سے اٹھائی نہیں گئی تھی۔

"سو یا مرا پڑا ہوگا اندھا کہیں کا......" رحمان نے نخوت و تنفر سے دوبارہ نمبر ملاتے ہوئے کہا۔ فرقان نے بے ساختہ بچوں سے نظریں چرائی تھیں اپنے بڑے بھائی کے لیے رحمان کے ایسے الفاظ فرقان کو پسند نہیں آئے تھے۔ لبنیٰ نے بھی بے ساختہ اپنا ہاتھ لبوں پر رکھا تھا۔ رحمان گھمنڈی تھا مگر فاخرہ سے نفرت کرتا تھا۔

"سلام بھائی۔" کال ملنے پر رحمان نے لٹھ مار انداز میں کہا۔ آگے سے زمان کیا بولا۔ پتا نہیں تھا۔

"ایک بات پوچھنی ہے۔ یہ جو صبا زمان لڑکی ہے، جس نے بورڈ میں پوزیشن لی ہے......" مگر نجانے آگے سے ایسا کیا کہا گیا تھا کہ رحمان نے کال کاٹ دی اب وہ اضطرابی انداز میں اپنی پیشانی مسل رہا تھا سب کی نظریں رحمان پر تھیں۔

"رحمان کیا ہوا۔" بالآخر فرقان نے ہی خاموشی کے دورانیے کو کم کیا۔

"خوشی سے پاگل ہوگیا ہے۔ مجھے مبارکباد دے رہا تھا وہ اندھا۔" وہ نفرت میں اس قدر ڈوب

چکا تھا کہ سب تمیز وتہذیب بھول چکا تھا۔ اس سے رحمان کا دل آگ میں جل رہا تھا۔

''ارے واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' فرقان نے متبسم لہجے میں کہا، جہاں لبنیٰ نے تحیر بھری مسرت سے فرقان کو دیکھا وہیں رحمان نے انتہائی اشتعال سے قہر وغضب سے دھکتی نگاہ اُس پر ڈالی۔

''کیا اچھی بات ہے۔'' رحمان تڑپ کر بولا۔ اِس سے وہ کسی اَن دیکھی تپش میں سلگ رہا تھا۔ نفرت کرنا دنیا کا سب سے مشکل ترین کام ہے اور رحمان کتنے سالوں سے پوری دلجمعی کے ساتھ یہ مشکل اور کٹھن کام کر رہا تھا اور کیے جا رہا تھا۔ تھک ہی نہیں رہا تھا۔

''یار وہ ہماری بھتیجی ہے۔ ہمارے بھائی کی بیٹی ہے۔ ہمارے خاندان کا حصہ ہے جس سے انکار کسی طور ممکن نہیں ہے۔'' یہ فرقان تھا جو صرف فاخرہ کو تو ضرور برا سمجھتا تھا اور رحمان کا ہم نوا اور ہم خیال بن جاتا تھا س۔ مگر صرف فاخرہ کے لیے۔

''مت بھولو کہ وہ فاخرہ کی بیٹی ہے جس کا ہماری بھابی ہونا ہمارے لیے ہمیشہ تذلیل کا باعث بنا ہے۔ کیسے کیسے شرمندہ نہیں ہوئے ہم۔'' وہ نجانے کیا جتلانا چاہ رہا تھا۔

''یار رحمان ماضی کی راکھ کریدنے سے بھلا کیا حاصل ہوگا۔ اُلٹا ہاتھ کی پوریں ہی جھلس جاتی ہیں۔ مجھے تو بہرحال بہت خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے خاندان میں کوئی بچی اتنی قابل نکلی ہے۔ فاخرہ ہمارے خاندان کی پہلی لڑکی تھی، جس نے ہمیشہ بورڈ میں پوزیشن لی۔ اسکالرشپ لینے کا اعزاز بھی اُسے ہی حاصل ہے۔'' فرقان روانی میں کہتا ہی چلا گیا۔

''ہاں ہاں ایسی نوکھی اور جان لیوا 'حرکتیں' کرنے والی بھی تو فاخرہ ہی خاندان کی پہلی لڑکی تھی۔'' عائشہ نے زہر میں بجھا ہوا ایسا طنز کیا جس میں تنفر کی آمیزش بھی شامل تھی۔ فاخرہ کی کوئی تعریف کرے وہ کہاں برداشت کرسکتی تھی۔

''تم کچھ بھی کہو فرقان مگر مجھے بے حد دکھ ہوا ہے کہ میرا بیٹا مڈل اسٹینڈرڈز میں بری طرح ناکام ہوگیا اور اُس حرافہ کی بیٹی......'' اصل بات ہونٹوں پر آ ہی گئی تھی اور رحمان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فاخرہ اور اُس کی بیٹی کا منہ نوچ لے، یا اُن کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر زمین کا رزق بنا ڈالے۔ فرقان نے مزید کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ لبنیٰ نے آنکھ کے اشارے سے اُسے روک دیا کیونکہ رحمان سے اس وقت کوئی بھی بات کرنا مناسب نہیں تھا۔

رحمان اذیت و بے کسی کے عالم میں ڈائننگ روم سے نکل کر ٹی وی لاؤنج میں چکر کاٹنے لگا۔ اُس کی زبان زہر اُگلتی رہی، سب سنتے رہے۔ کبھی کبھی عائشہ بھی جلے دل کے پھپھولے پھوڑنے لگتی۔

جب ماں باپ اپنے خون کے رشتوں کے لیے ایسے جذبات رکھتے ہوں اور اُن کا بے لاگ اور بے دھڑک اظہار بھی کرتے ہوں۔ اپنے بڑوں کی عزت نہ کریں۔ چھوٹوں پر رحم نہ کریں۔ کسی بہت اپنے کے کردار کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دیں اور انتہائی بے حسی اور خود غرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑے بھائی کو 'اندھا' کہیں، بے دریغ کسی کی ذات پر کیچڑ اُچھالیں۔ صرف اپنی ذات کی تسکین کے لیے، ایسے بات کریں جیسے خود بہت برگزیدہ اور نیکوکار ہوں، ذرا سوچیے وہاں بچوں کی کیسی تربیت ہوگی؟ وہ کہاں انسانیت سے محبت کرنا سیکھیں گے، جب بے حسی و خودغرضی ہی ورثے میں ملی ہو۔

مگر حیرت کی بات تو یہ تھی کہ رحمان اور عائشہ کے اندر پلتی کدورت اور کینہ وبغض اُن کی اولاد کے اندر سرایت نہیں کر پایا تھا۔ دونوں گھروں کے بچے تایا زمان، فاخرہ اور اُن کے بچوں سے ملنے کا شوق دل میں رکھتے تھے، بھلے دبا دبا ہی سہی۔

☆......☆......☆

’’بھوک سے میری جان نکلی جا رہی ہے لبنیٰ، پے در پے صدمات نے جیسے اَدھ مؤا بھی تو کر ڈالا ہے۔ مانو بھوک پیاس ہی مٹ گئی۔‘‘ عائشہ شاید ابھی ابھی سو کر اُٹھی تھی اور لبنیٰ کے گھر کا رُخ کیا تھا۔

’’آپ کیا کھائیں گی۔‘‘ لبنیٰ نے عائشہ کے اُجڑے بکھرے حلیے سے نظریں ہٹائیں۔

’’تم چائے بناؤ، میں فریج میں بریڈ وغیرہ دیکھتی ہوں۔‘‘ عائشہ نے فریج کھولا، بریڈ کا پیکٹ رکھا تھا۔ وہ بریڈ کا پیکٹ اور دو انڈے ہاتھ میں پکڑے لبنیٰ کے قریب آئی۔ لبنیٰ اکثر عائشہ بھابی کی دیدہ دلیری پر ششدر رہ جاتی تھی۔ اُن کو عادت تھی خوامخواہ کی اجارہ داری قائم کرنے کی۔ گھر بھلے کسی کا بھی ہو۔ یوں کسی کے گھر آ کر دندناتے پھرنا یا اپنی من مانیاں کرنا کم از کم لبنیٰ کی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ رکھ رکھاؤ والی خاتون تھی۔ گھر سے کم کم نکلتی تھی۔ بلا ضرورت کسی کے حتیٰ کہ عائشہ کے گھر بھی نہیں جاتی تھی۔

’’ہا...... ہائے تمہارے برتن ابھی تک دھونے والے پڑے ہیں۔‘‘ عائشہ بھی لبنیٰ کے پیچھے ہی کچن میں آن گھسی تھی اور سنک میں دھرے برتن دیکھ کر یوں ناک بھوں چڑھانے لگی جیسے خود سارا گھر سمیٹ سماٹ کر آئی ہو۔

’’بھابی آپ کمرے میں جا کر بیٹھیں میں آتی ہوں لے کر۔‘‘ لبنیٰ بدزبان نہیں تھی، لحاظ مروت بھی بہت تھا اسی لیے غصے کو ضبط کر کے نہایت شائستگی سے کہا۔

’’ارے اسی لیے تو کہتی ہوں کہ کوئی کام والی رکھ لو، اب اتنا سا تو تم افورڈ کر ہی سکتی ہو۔‘‘ عائشہ نے شاید اپنے تئیں جتلایا تھا کہ تمہاری مالی حیثیت مجھ سے کم سہی مگر پھر بھی اتنی تو ہے کہ برتن دھونے والی رکھ سکو۔

’’بھابی یہ برتن ابھی ابھی گندے ہوئے ہیں کیونکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے بچے ناشتا کر کے فارغ ہوئے ہیں میں دھونے لگی تھی کہ آپ آ گئیں۔ اس لیے وہیں چھوڑ دیے۔‘‘ لبنیٰ نے نا چاہتے ہوئے بھی وضاحت دے ڈالی۔ عائشہ پورے محلے کی ذاتیات میں دخل در معقولات اپنا اولین فریضہ سمجھتی تھی۔ زبردستی دوسروں کے اعصاب پر بھاری سل کی مانند مسلط رہتی تھی۔ محلے والیاں اگر سامنے لحاظ بھی کر جاتی تھیں تو پھر پیٹھ پیچھے عائشہ کی ٹوہ میں رہنے کی عادت پر اختلاف کرتی تھیں اور دوسروں کے معاملات میں زبردستی گھسنے والی عادت سے بھی خائف ہی نہیں بیزار بھی تھیں۔

’’لبنیٰ میرا تو دم گھٹ رہا ہے، مجھے کمرے میں ہی چلنا چاہیے۔‘‘ عائشہ نے کچن سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ تو مارے ضبط کے لبنیٰ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ وہ عائشہ بھابی کی بلاوجہ کی تنقید پر کلس کر رہ گئی مگر وہ عائشہ بھابی کی حاکمانہ طبیعت سے اچھی طرح واقف تھی۔ عائشہ جیسے نافہم لوگ انتہائی بے دید اور ناقص العقل ہوتے ہیں جو تیرے میرے گھر کی خبر تو رکھتے ہیں۔ مگر اپنے گھر کی دیکھ بھال بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دینا بھول جاتے ہیں۔ لبنیٰ بس چپ سادھ لیتی تھی دو بدو جواب دینا اُسے بھی آتا تھا مگر کسی ممکنہ بدمزگی کے خوف کے زیر اثر وہ رواداری اور بڑے پن کا مظاہرہ کرتی اور اپنی ناگواری کمالِ مہارت سے چھپا جاتی۔

’’یہ لیں بھابی......‘‘ لبنیٰ ذرا سی دیر بعد ٹرے میں چائے بریڈ اور ہاف بوائل انڈے لیے حاضر تھی۔

’’بہت شکریہ۔‘‘

’’ارے بھابی آپ کا اپنا گھر ہے۔‘‘ لبنیٰ خوش دلی سے اخلاق کا دامن پکڑے ہوئے کہنے لگی۔ لبنیٰ اُن کے پاس بیٹھ کر کریلے چھیلنے لگی۔ عائشہ بھابی اِدھر اُدھر کی لایعنی باتیں کیے جا رہی تھیں۔ لبنیٰ بے

دلی اور بے توجہی سے سنتی رہی بے تکی بے سروپا گفتگو، منفی سوچ بے مقصد باتیں، لبنیٰ ہوں ہاں کرتی رہی۔ ہاں اتنا وہ جانتی تھی کہ وقت اب جلدی نہیں گزرنے والا۔ عائشہ اب صبا کا ذکر لے بیٹھی تھی۔ فاخرہ کی برائیاں، صبا کی اُٹھتی جوانی کے بارے ناگوار جملے لبنیٰ کو بہت بھاری اور گراں گزر رہے تھے عائشہ کا دھواں دھواں چہرہ صاف بتا رہا تھا کہ صبا کی شاندار کامیابی نے کیسے اُس کے دل کو جلا کر خاکستر کر ڈالا تھا۔ کیسے بھوک اُڑا کر رکھ دی تھی۔

''بھابی اب آپ لوگوں نے احتشام کا کیا سوچا ہے۔'' لبنیٰ نے سمجھداری سے موضوع بدل دیا تھا۔

''بس کرنا کیا ہے۔ دوبارہ امتحان دے گا، اب کے اُس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ سخت محنت کرے گا۔ رحمان سے اُس نے معافی بھی مانگ لی ہے۔''

''ہاں بس اللہ ہمارے بچوں کو محنت بلکہ سخت محنت کرنے کی توفیق دے۔''

''ہاں احتشام پڑھ لکھ جائے تو اچھی بات ورنہ تو اپنے باپ کا کام ہی سنبھالنا ہے نا، کون سا نوکری کرنی ہے اُس نے۔'' لبنیٰ عائشہ بھابی کا تعلیم کے بارے میں 'خیال' سُن کر دنگ رہ گئی یعنی کہ لاپروائی کی کوئی حد تھی بھلا۔ وہ اپنی اولاد کے مستقبل کی پلاننگ کیے بیٹھی تھیں۔

عائشہ بھابی نے کھاپی کہ برتن پرے کھسکائے اور نہایت پُراسرار انداز میں کھسک کر لبنیٰ کے بالکل پاس ہوئی انداز سرگوشیانہ اور قدرے رازدارانہ تھا۔

''الٰہی خیر......'' لبنیٰ نے کوفت سے عائشہ بھابی کی حرکات وسکنات کا جائزہ لیا۔

''پتا ہے کل کیا ہوا؟'' عائشہ نے اپنی گول گول آنکھیں شاطرانہ انداز میں گھمائیں۔

''نہیں تو......'' لبنیٰ نے بمشکل کہا۔ ایسی کون سی افتاد آن پڑی جو عائشہ بھابی کان میں گھس رہی تھیں۔

''سلمیٰ کی بہو کل کہیں بھاگ گئی ہے اور جاتے ہوئے اپنے دو بچے بھی ساتھ لے گئی۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہیں، ایسا کیسے ہوسکتا ہے، آپ تو اپنے گھر کی پریشانی (احتشام کا فیل ہونا) میں تھیں۔ کس نے بتایا۔'' لبنیٰ کی ایک ایک کر کے تمام حسیات بیدار ہوئی تھیں کیونکہ وہ سلمیٰ خالہ کی بہو جویریہ کو اچھی طرح جانتی تھی۔ کسی اسکول میں پڑھاتی تھی۔ اچھی ملنسار خاتون تھی۔

''مجھے بس سُن گن مل ہی جاتی ہے، جاؤں گی میں سلمیٰ آپا کی طرف، اتنا بڑا صدمہ ہے اور کیسی بدنامی اور جگ ہنسائی ہوگی، دو بچوں کی ماں اپنے آشنا کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی۔'' عائشہ بھابی نے قہقہہ لگایا۔ یہ کوئی ہنسنے، مضحکہ اُڑانے والی بات تھی کیا۔

''پلیز بھابی! کسی پر بہتان باندھنا ہمیں زیب نہیں دیتا۔ ہر بات کا تاریک پہلو مت دیکھا کریں، بات کوئی اور بھی ہوسکتی ہے۔ جویریہ میری کلاس فیلو رہی ہے۔ میٹرک کے بعد ہم نے اکٹھے پی ٹی سی کی تھی اور پھر اکٹھے ہماری نوکریاں بھی لگی تھیں۔'' لبنیٰ کو بہت کچھ یاد آیا تھا۔

''ارے وہ تمہاری سہیلی نکلی تو بی بی اب تم بھی خاطر جمع رکھو، تم سے بھی تفتیش ہوسکتی ہے۔'' عائشہ نے بات کو قطعی دوسرا ہی رُخ دے ڈالا۔ لبنیٰ نے ایک شکوہ کناں نظر اُس پر ڈالی۔

''لو بھلا ایسے کیا دیکھ رہی ہو، سچ تو کہہ رہی ہوں۔ ویسے وہ گئی کہاں اُستانی صاحبہ۔'' دوسروں کی ذات کے بخیے اُدھیڑنے میں وہ ماہر تھیں۔ اب ایک نئی بات اُس کے ہاتھ لگ گئی تھی۔ کچھ دن تو اچھے گزر جاتے۔ لبنیٰ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ باتیں عائشہ کر رہی تھی ندامت و پشیمانی لبنیٰ کو ہو رہی تھی۔ خدا کا خوف لبنیٰ کے دل کو لرزا رہا تھا یوں کسی بے بنیاد بات پر اُنگلی اٹھانا نہایت قبیح عمل

ہے۔ خدا تو دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالنے کا حکم دیتا ہے۔ جب ہم بغیر ثبوت کسی پر الزام تراشی کر سکتے ہیں تو اتنا ظرف کہاں کہ دوسروں کے گناہوں کو دلوں میں چھپا سکیں۔

''اچھا بھابی آپ بیٹھیں میں کھانا بنالوں۔'' لبنیٰ نے اپنے سامنے رکھی کریلوں، پیاز، ٹماٹر کی ٹوکریاں اُٹھائیں اور اُٹھ گئی۔

''میں بھی چلتی ہوں، شام کو سلمٰی کے گھر کا چکر لگاؤں گی۔ ساری بات پتا لگا کر آؤں گی۔'' عائشہ جانے کے لیے اُٹھی تو لبنیٰ کا بھی روکنے کو دل نہیں چاہا۔ لبنیٰ تاسف اور آزردگی میں گھر کر اُسے جاتا دیکھتی رہی۔

لبنیٰ بہت اچھی طرح سے عائشہ کی فطرت کو جانتی تھی۔ دوسروں کی ٹوہ میں رہنا دوسروں کے گھروں میں جھانکنا کسی کی ذراسی کمزوری ہاتھ کیا آتی۔ اُس کے کردار میں وہ اتنے جھول اور خامیاں نکال لیتی کہ اُف توبہ۔

نجانے اُن کی شخصیت میں کیا اُدھورا پن تھا، کیا تشنگی تھی جو وہ ایسی نازیبا واخلاق سے گری ہوئی حرکتیں کر کے اپنی ذات کی تکمیل کرتی تھی یا خود کو تسکین دینے کے لیے حربے آزماتی تھی۔ فطرت کبھی نہیں بدلتی بدنیت بدفطرت۔ دو لوگ میاں بیوی بن کر ایک گھر میں کیسی زندگی گزار رہے تھے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات تو نہیں جیسا رحمان ویسی عائشہ۔ جو اچھا سوچتا نہیں وہ اچھا کر بھی کیسے سکتا ہے۔ ایسے دلوں پر کٹھور پن اور سنگدلی کی مہریں لگی ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں پر اچھا برتاؤ، اعلیٰ رویہ بھی اثر انداز نہیں ہوتا۔

اتنا سارا وقت بے کار گزر گیا۔ حاصل وصول کچھ بھی نہیں لبنیٰ کے دل پر ایک نادیدہ بوجھ آ گرا۔ کھانا بناتے ہوئے لبنیٰ کا ذہن مسلسل جویریہ اور اُس کے بچوں میں اٹکا رہا۔ وہ زیرلب خیریت کی دعائیں مانگتی رہی۔ اللہ تعالیٰ سے رحم کی اپیل کرتی رہی۔

☆......☆......☆

خالہ اماں کو اکثر ہی بخار رہنے لگا تھا۔ وہ زمان کے پاس لیٹی رہتی، فاخرہ بساط بھر اُس کا خیال رکھتی صبا اور فضا کو بھی اصرار کر کے اُن کی دادی کے پاس بھجواتی، وہ دونوں نا چاہتے ہوئے بھی اُن کے پاس چلی جاتی تھیں۔ اُن کو دباتی تھیں مگر باوجود کوشش کے بھی وہ اپنی دادی سے محبت جتا نہیں پاتی تھیں۔ بس اُن کی ہر بات کے جواب میں ہوں ہاں کرتی رہتی تھیں۔

''بیٹا اپنی دادی کے لیے دودھ والا دلیہ بنا دو، میں اُن کے کپڑے دھو دوں۔'' فاخرہ نے کہا۔

''آپ اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دیں مما، پروا نہ کریں، جیسے انہوں نے ساری زندگی آپ کی پروا نہیں کی۔ آپ کی ذات پر ستم کے ہنر آزمانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔'' صبا غصے سے منہ پھلا کر بولی۔

''نہیں بیٹا ایسا نہیں کہتے، وہ جتنی بھی سفا کی اور ظلم کا مظاہرہ کرتی رہیں مگر وہ بزرگ ہیں، بڑی ہیں اور پھر بیمار بھی۔ اُن کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔'' فاخرہ نے اُسے سمجھایا۔

''مما آپ کے صبر کی کوئی حد بھی ہے بھلا، کسی کو مصلوب کر کے غمگین رکھنا مضمحل و آزردہ کرنا ظلم و بربریت کی انتہا کر دینا اور آپ ہیں کہ تھکتی نہیں درد سہہ سہہ کر۔'' صبا کا نمناک لہجہ فاخرہ کا کلیجہ شق کر گیا۔ اُس نے تھرا کر صبا کو دیکھا اور اُسے سینے سے لگا لیا۔

''طاقت رکھتے ہوئے بھی درگزر سے کام لینا ہی کسی انسان کو انسانیت کے درجے پر فائز کرتا ہے ورنہ تو اس وقت کسی کو یہ کہنا کہ ہم نے معاف کیا۔ جب ہم انتقام لینے کی استعداد و ہمت ہی نہیں رکھتے کوئی معنی نہیں رکھتا۔'' فاخرہ بے اختیار سسکنے لگی۔

''ہم کسی کو سزا دینے پر قادر نہیں ہیں بیٹا۔ ایسی منفی باتیں دوبارہ بھی مت سوچنا، جو درگزر کرتا ہے وہی دلی سکون کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ نیکی اور خیر کا راستہ اپنانے والے ہی دنیا و آخرت میں سرخرو ہوتے ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ تم لوگ اپنا دل صاف کر کے اپنے بابا اور دادی کو وقت دو۔ اُن سے باتیں کرو۔ اُن کی خدمت کرو۔ ماں ہونے کے ناتے میرا فرض ہے کہ میں تم لوگوں کو مثبت طرزِ زندگی گزارنے کا درس دوں۔''

فاخرہ نے رسانیت سے ایک ایک بات صبا کے ذہن میں ڈالنے کی کوشش کی جبکہ فاخرہ کا اپنا دل پھٹا جا رہا تھا۔ وہ سرتاپا لرز رہی تھی۔ صبا کے پیچھے فضا بھی آ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

''اللہ تعالیٰ ہر انسان کو جب آزمائش میں ڈالتا ہے نا بیٹا تب ہی ہماری اچھائی اور برائی کا پتا چلتا ہے۔ جو اللہ کی دی ہوئی آزمائش کو رحمت سمجھتا ہے۔ جھیل جاتا ہے، نبھا جاتا ہے، پھر بھی اُس کی زبان پر شکر کا کلمہ ہو وہی صابر ہے۔ خدا کی ذات پر کامل یقین رکھنے والا، کوئی بھی مرتبہ و مقام بغیر تکلیف یا درد کے کہاں ممکن ہوتا ہے۔ تم لوگ صلہ ہو، خدا تعالیٰ کی طرف سے، نیک صالح اولاد جو ماں باپ کا نام روشن کرتی ہے۔ اُس سے بڑھ کر کیا صلہ ہوسکتا ہے بھلا۔''

پُر رسان، دھیما، بے حد سبک پُر اثر اندازِ گفتگو، صبا نے عقیدت سے فاخرہ کے سینے سے سر اٹھا دیکھا۔ کتنا سحر انگیز چہرہ تھا اُن کی مما کا۔

وہ آج جان گئی تھی کہ ایسے جان لیوا حالات میں رہ کر بھی، اتنا کرب، اتنی صعوبتیں کاٹ کر بھی اگر اُن کا چہرہ اتنا تر و تازہ اور بارونق تھا، جیسے گزرتے ہوئے وقت نے فاخرہ کے دلنواز چہرے کو چھوا تک نہیں تھا۔ تو یہ فاخرہ کے من کا اُجلا پن تھا جو نور بن کر اُس کے نقوش کو مزید پُرکشش و جاذبِ نظر بنا گیا تھا۔

''مما آپ کا ظرف بہت بڑا ہے آپ عظیم ہیں۔ مجھے فخر ہے آپ پر۔'' صبا نے فاخرہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگا لیے۔ اُس کا سر جھکا ہوا تھا۔

''مما مجھے معاف کر دیں، مجھے اتنی چھوٹی اور گری ہوئی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ بدلہ لینا، کسی کو سزا دینا بہت گھٹیا فعل ہیں اور مجھے ایسا سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا۔'' اُس کی آواز پھر سے آنسوؤں کی نمی سمیٹ لائی۔

فاخرہ زیرِ لب مسکرائی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اپنی اولاد کے دل بغاوت، سرکشی کی وحشت دھرمی سے بھر کر اُن کو بھٹکا ڈالے اس لیے جب بھی صبا دادی کے حوالے سے یا زمان کے حوالے سے بپھر جاتی اور کسی تند خیز موج کی طرح سر پٹخ کر سوال کرتی۔ تب اُس کی وحشت چھلکاتی نظروں کو دیکھ کر فاخرہ کے حواس مختل ہو جاتے۔ اُس کے اپنے اندر خوف و ہراس پھیل جاتا۔ تب وہ دل پر بھاری پتھر کی سل رکھ کر اُن کو پیار سے سمجھاتی ورنہ اُس کا اپنا دل کیسے لہولہان تھا۔ اُس کو بتا کر دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی، ورنہ اُس کی اولاد سب سے بدگمان اور بے گانہ ہو جاتی اور فاخرہ ایسا کیسے چاہ سکتی تھی اُس نے خود سارے رشتے کھوئے تھے۔ وہ اپنوں کی بے رخی اور بے اعتنائی برداشت کرتے کرتے جیسے پتھر کی ہو چکی تھی۔ وہ اپنی اولاد کو رشتے دینا چاہتی تھی چھیننا نہیں۔

''ارے نہیں میری ننھی پری، معافی کیسی، جاؤ دادی کے لیے دلیہ بناؤ، اللہ کی رضا کے لیے اللہ کے بندوں سے محبت کرو اور اللہ انسان کی اُمیدوں سے بڑھ کر صلہ اور جزا دینے والا ہے۔''

''جی مما میں بناتی ہوں۔'' صبا پلٹ گئی تو فاخرہ کپڑے دھونے لگی مگر اُس کے بے آواز آنسو مسلسل گرتے رہے۔

کہاں اتنا آسان ہوتا ہے ایسے لوگوں کو معاف کرنا جنھوں نے ساری زندگی آپ کو کانٹوں پر گھسیٹ کر زخم زخم کیا ہو۔ آپ کے اندر سے جینے کی اُمنگ ہی ختم کردی ہو۔ بھری دُنیا میں تماشا بنایا ہو۔ آپ کی تقدیر اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اپنی پسند کی 'سزا' تجویز کی ہو۔ زندگی کے ایک ایک پل کو جاں گسل عذاب میں مبتلا کرکے صدیوں پر لٹکایا ہو مگر وہ فاخرہ جبیں تھی۔ صابر شاکر اپنے سارے فیصلے اللہ کے ہاتھ میں دینے والی اور اللہ بہتر انصاف کرنے والا ہے۔

☆......☆......☆

صبا کا غصہ اور برہمی دوسرا رُخ اختیار کرچکی تھی۔ یہ سب فاخرہ کی باتوں کا اثر تھا۔ اب اُسے دادی بہت ہی قابلِ رحم لگ رہی تھیں۔ ترس اُمنڈ اُمنڈ کر آرہا تھا۔ رحم و ہمدردی دل میں جگہ بنا رہی تھی۔

''دلیہ کھالیں۔'' صبا جب کمرے میں آئی تو وہ سیدھی لیٹی ہوئی تھیں۔ دادی کی نظریں کمرے کی چھت میں اُلجھی نجانے کیا تلاش کررہی تھیں۔ چہرے پر اَن گنت سوچوں کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ ''اُٹھیں میں آپ کو خود کھلاتی ہوں۔''

صبا نے محبت سے سہارا دے کر اُٹھایا اور خود اُن کے منہ میں چمچ سے دلیہ ڈالنے لگی۔ دادی کی نظروں میں آنسو جھلملائے تھے اور اُن کا جھریوں زدہ چہرہ آنسوؤں سے تر ہونے لگا۔ صبا نے اپنے ہاتھ سے اُن کے آنسو صاف کیے پھر تھوڑا تھوڑا دلیہ اُن کے منہ میں ڈالتی رہی۔ دلیہ کھلایا، پانی پلایا پھر دادی کا چہرہ صاف کیا اور سہارا دے کر پھر لٹا دیا۔

''دادی آپ بیمار ہیں اس لیے رو رہی ہیں کیا؟'' صبا نے کہا تو وہ اور بھی شدت سے رونے لگیں۔

''آپ فکر مت کریں آپ ٹھیک ہوجائیں گی۔'' صبا کی بات پر وہ بچوں کی طرح ہچکیاں بھرنے لگیں۔ ڈاکٹر ز کا کہنا تھا کہ ذہنی خلفشار اور اعصابی دباؤ کی بدولت وہ اس قدر نڈھال ہوکر اور بیمار پڑگئی ہیں مگر اُن کے اندر بیماری کے خلاف لڑنے کی قوت مدافعت ختم ہوچکی تھی۔

صبا نے دادی کو دوا کھلائی پھر دوبارہ اُن کو لٹا کر باہر آگئی مگر تھوڑی دیر بعد بھی واپس لوٹ آئی۔

''بابا...... مما کہہ رہی ہیں ابھی نہائیں گے یا صبح۔'' وہ اب زمان سے پوچھ رہی تھی۔

''بیٹا پرسوں نہلایا تھا تمہاری مما نے، میرا خیال ہے صبح نہالوں گا۔'' پھر کچھ خیال آنے پر دوبارہ بولا۔ ''صبح تو تمہاری مما اسکول چلی جائے گی، مجھے اُس کے سوا کون نہلا سکتا ہے۔'' صبا کو اپنے بابا کی آواز بہت تھکی تھکی سی لگی تھی۔ صبا کو تشویش ہونے لگی۔

''بابا کیا ہوا۔'' صبا نے آگے بڑھ کر اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''اماں بیمار ہیں نا اس لیے اُداس ہوں۔''

''وہ ٹھیک ہوجائیں گی، آپ اُٹھیں نہالیں پھر شام ہوجائے گی۔ خدانخواستہ آپ کو ٹھنڈ لگ گئی تو۔'' صبا نے ایک ہاتھ کندھے پر رکھا جبکہ دوسرے ہاتھ سے اُس کی ٹانگوں کو بیڈ سے فرش پر اُتارا پھر بیڈ کے نیچے سے چپل نکال کر اُس کے پیروں میں ڈالی اور پھر دونوں ہاتھوں سے اُسے سہارا دے کر صحن میں لے آئی۔ فاخرہ نے آگے بڑھ کر زمان کو اپنی بانہوں میں بھرلیا پھر اپنا بازو زمان کی کمر میں ڈال کر اُسے واش روم میں لے گئی۔

خالہ اماں چھت کی کڑیاں ملا رہی تھیں، کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں مرکوز کیے آنکھیں مسلسل رو رہی تھیں۔ اُس کے دماغ میں آندھیوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ بیمار ہوجانے کے باعث کوئی چیز اُن کے

اندر بہت گہرائی میں بیٹھ گئی تھی۔ وہ چیز تھی 'خوف' برا ہونے کا خوف، خوف بس خوف۔

وہ تمام زندگی جو کچھ فاخرہ کے ساتھ کرتی رہی تھیں ظاہر ہے اب اُن کا خوفزدہ ہونا بنتا بھی تھا کہ کہیں فاخرہ اور اُس کی بیٹیاں اُسے تنہا اور بے آسرا نہ چھوڑ دیں۔ ایسا ضرور ہوتا اگر فاخرہ تنگ نظر اور خدائی فیصلوں میں دخل دینے والی ہوتی۔ کسی سے نفرت کرنا فاخرہ کے بس کی بات ہی نہیں تھی۔ وہ چاہ کر بھی کسی سے نفرت نہیں کر سکتی تھی، چاہے کوئی اُس کے ساتھ کچھ بھی کرتا۔

مگر ہوا کیا؟ فاخرہ خالہ اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی، دوا لی، گھر میں بھی اُس کی دیکھ بھال محبت اور لگاؤ سے ہونے لگی۔

اب اُن کی نگاہوں سے خوف ڈھل گیا مگر آنکھیں خالی نہیں رہی تھیں۔ ایک اور احساس اُن میں جگہ بنا چکا تھا، ندامت و پچھتاوے کا احساس، جو نظریں اٹھنے نہیں دیتا تھا۔ جھکی آنکھوں میں آنسو آتے اور پھر آتے ہی رہتے۔ آنسو بہہ بہہ کر دامن بھگوتے رہتے۔ نجانے یہ کیسی ندامت تھی جو ڈھلتی ہی نہ تھی۔

کیسا پچھتاوا تھا جو کم ہونے میں ہی نہیں آرہا تھا۔ وہ گنگ سی چھت کو گھورے جاتیں بے حس و حرکت لیٹی رہتیں۔ ہونٹوں پر ملال و شرمندگی کے قفل پڑ چکے تھے۔

وہ انتہائی دلگیری اور بے بسی کی تصویر بنتی جارہی تھیں۔ وہ عجیب سے سرد اندھیروں میں خود کو بھٹکتا پاتی تھیں۔ کوئی احساس اُنہیں چبھن دے کر ذہنی کچوکے لگاتا، ضمیر جاگ گیا تھا مگر کب جاگا جب وہ عمر کی پونجی ہارنے والی تھیں۔

فاخرہ نے زمان کو نہلا کر تولیے سے اُس کا بدن خشک کیا۔ اپنے وجود کا سہارا دے کر اُسے کپڑے پہنائے اور اُن کو ساتھ لیے باہر آئی۔ صحن میں بچھی چارپائی پر آرام سے زمان کو بٹھایا۔

''فضا بیٹا برش لے کر آؤ اور صبا اپنے بابا کے لیے چائے بناؤ۔'' فضا برش لے کر آئی تو فاخرہ زمان کے بال بنانے لگی۔ پھر زمان کے پیروں کی طرف بیٹھ گئی۔

''بہت شکریہ فاخرہ۔'' فاخرہ نے ٹھٹک کر زمان کو دیکھا۔

''یہ میرا فرض ہے۔،، فاخرہ نے مدھم آواز میں کہا۔ زمان بولا کچھ نہیں مگر اُس کے ہاتھوں کی انگلیاں اضطراری انداز میں کپکپانے لگیں۔ اُس کے ہاتھوں کی لرزش فاخرہ سے مخفی نہیں تھی۔

''بابا چائے۔،، تبھی صبا چائے لے کر آگئی۔

''میں بھی چائے پیوں گا۔،، تبھی اسد بھاگتا ہوا آیا تھا۔

''بچے چائے نہیں پیتے بیٹا۔'' فاخرہ نے کہا تو وہ مچلنے لگا۔ اسد بہت ضد کرنے لگا تھا۔

''تم گندی مما ہو، دادی کہتی ہیں تمہاری مما گندی ہیں۔'' وہ چیخنے لگا۔ اور فاخرہ 'تو' کاٹو تو بدن میں لہو نہیں' کی عملی تفسیر بن گئی گنگ سی بیٹھی رہی۔

''شرم نہیں آتی مما سے بدتمیزی کرتے ہوئے'' صبا نے سختی سے اُسے ٹوکا تو اسد اور بھی اُچھلنے لگا۔

''کروں گا کروں گا دادی کہتی ہے مما گندی ہے گندی ہے۔'' اُس نے کپ کو ہاتھ مارا چائے کا بھرا ہوا کپ ہوا میں اُچھل کر زمین بوس ہو گیا مگر اسد کو چنداں پروا نہیں تھی۔

''لفظوں کے ناخن نہیں ہوتے مگر یہ روح و بدن میں پیوست ہو کر اندر تک اُدھیڑ کر رکھ دیتے ہیں دل کو خون آلود کر سکتے ہیں 'گندی مما' لفظ نے جیسے فاخرہ کی ساری توانائی اپنے اندر جذب کر لی تھی۔

یہ سب کیا دھرا اُسی عورت کا تھا جو کمرے میں لیٹی بے بس آنسو بہاتی رہتی تھی۔

اندر بے حس و حرکت لیٹی خالہ اماں نے باہر کا

سارا تماشا دیکھا نہیں مگر سنا ضرور تھا۔ مگر اُنہیں خوشی نہیں ہوئی تھی۔ وہی تو اسد کو ہر وقت خود سے لگائے رکھتی تھیں۔ اُلٹی سیدھی باتیں اُس کے معصوم ذہن میں ڈالتی تھیں۔ صبا اور فضا نے جب سے فاخرہ کا دفاع کرنا شروع کیا تھا تب کوئی اور راہ نہ پا کر خالہ اماں نے اسد کو اپنا ہدف بنالیا تھا۔ اب وہ اپنی ساری چالبازیاں اسد پر آزمانا چاہ رہی تھیں۔ فاخرہ کو چاروں شانے چت گرانے کے واسطے وہ اسد کا ذہن خراب کرنے لگیں تاکہ وہ اپنی مما کے مقابل آکر بدتمیزی کرلے اور آج دوسری بار اسد نے فاخرہ سے بدتمیزی کی تھی۔ اُسے تو اپنی فتح پر، اپنی کامیابی پر مسرور ہونا چاہیے تھا مگر خالہ اماں خوش نہیں تھی بلکہ ڈر گئی تھی۔ اب فاخرہ بھڑک اُٹھے گی اور...... مگر کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہمیشہ کی طرح اس درد کو بھی فاخرہ نے اندر چھپالیا تھا۔ ہاں بہت دن اُس کی آنکھیں گیلی گیلی رہی تھیں اور دوسرا اُس نے اسد پر خصوصی توجہ دینی شروع کردی تھی۔ بگڑی ہوئی چیزیں صرف محبت و توجہ سے ہی سنورتی ہیں۔ فاخرہ نا اُمید نہیں تھی۔

☆......☆......☆

جویریہ کی گمشدگی پُراسرار معمہ بنی ہوئی تھی آخر وہ کہاں گئی۔ اُسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا لوگ طرح طرح کی باتیں کررہے تھے۔ کوئی اسے اغواء کی واردات کہہ رہا تھا تو کوئی اُسے گھر سے بھاگ جانے والی مشکوک عورت گردان رہا تھا۔ کوئی اس واقعے کو حادثے سے موسوم کررہا تھا، جتنے منہ اتنی ہی باتیں۔

ابھی لبنیٰ سلمٰی خالہ کے گھر جانے کا سوچ ہی رہی تھی مگر اُس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی اُن کے گھر جانے کی۔ نجانے وہ کیا خیال کریں۔ لوگ طرح طرح کے جملوں میں اظہارِ افسوس کرکے جویریہ کے میاں کی نہ صرف دل شکنی کررہے تھے بلکہ اُن کی

غیرت پر بھی اُنگلی اٹھائی جارہی تھی۔ اُن کو تسلی کے دو بول کہنے والا کوئی نہیں تھا مگر اُن کے حوصلے منہدم کرنے والے بہت تھے۔

یہ تو صدیوں سے زمانے کا چلن رہا ہے کہ آگے بڑھ کر اُمید دلانے والے، زخموں پر پھاہے رکھنے والے کم ہوتے ہیں بلکہ کم یاب ہی نہیں نایاب ہوتے ہیں لیکن...... لیکن ایسے لوگ بہت ہوتے ہیں بلکہ خود رو پودوں کی طرح جگہ جگہ ہوتے ہیں جو زخموں پر نمک پاشی کرنا خوب جانتے ہیں، تماش گیر۔ دوسروں کی زندگی میں کانٹے بونے والے، بےحس بے مروت لوگ۔

ابھی جویریہ والے واقعے پر دھول نہیں بیٹھی تھی۔ اس سانحے کی گونج ابھی شہر میں لہراتی پھر رہی تھی کہ ایک اور حراساں کردینے والا واقعہ ہوگیا۔ پچھلی گلی کے قریشی صاحب کے بیٹے کو اسکول سے واپسی پر کسی نے اغواء کرلیا تھا۔ حقیقی معنوں میں گردو نواح میں ہراس پھیل گیا۔ قریشی صاحب اور اُن کی بیگم کا رو رو کر حال برا تھا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ کچھ معزز حضرات نے اِن کی حالتِ زار کے پیش نظر تھانے میں رپورٹ درج کروادی تھی۔

ایس ایچ او حمدان گیلانی خود شہر میں ہونے والے واقعات سے حواس باختہ تھے۔ کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ کون لوگ تھے اور اُن کے اس گھناؤنے فعل کے پیچھے کیا مقاصد و اغراض پوشیدہ تھے۔

حمدان جیسے مضبوط شخص کا رنگ ایک دم سے اُڑ گیا تھا۔ چہرا پتھرانے لگا تعجب بے یقینی، صدمہ کیا یہ الفاظ کافی ہوتے اُن کی کیفیت بیان کرنے کے لیے، قطعی نہیں، پے در پے پڑنے والی اُفتاد نے گویا حمدان کے حواس سلب کرلیے تھے۔ ایک دن میں ایک ہی شہر سے چار بچوں کا غائب ہوجانا معمولی واقعہ نہیں تھا۔ اوپر سے بہت دباؤ تھا۔ خدشات کی یلغار اُن کو سہار ہی تھی۔

پورے شہر کی فضا بوجھل ہو کر رہ گئی تھی۔ موت جیسا سناٹا چہار سو پھیلا ہوا تھا۔ صدمے سے زبانیں گنگ ہوکر رہ گئی تھیں۔ لوگ ڈرنے لگے تھے۔ سب کو اپنے اپنے بچوں کی فکر پڑ گئی تھی۔ سب نے رکشے لگوادیے تھے، کچھ لوگ خود ہی اپنے بچوں کو اسکول چھوڑنے اور لے کر آنے لگے تھے۔ شہر جیسے سکتہ زدہ تھا۔ گہری، خوفناک خاموشی جیسے کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

عروہ اور امن بھی آج کل رکشے سے کالج جانے آنے لگی تھیں۔ باقی دونوں گھروں کے چھوٹے بچوں کو بھی بطورِ خاص رکشے لگوادیے گئے تھے۔

امن کو وہ ہینڈسم کافی دنوں سے نظر نہیں آرہا تھا مگر آج اُس وقت امن کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اُس نے اُسے کالج میں دیکھا۔ امن نے حیرت سے آنکھیں جھپکائیں، اُسے یقین نہیں آرہا تھا وہ نایاب لودھی کے پاس کھڑا تھا۔ بلیک شلوار سوٹ میں اُس کی گوری رنگت دمک رہی تھی۔ امن محویت سے دیکھے گئی بنا پلک جھپکائے، جبھی وہ کسی بات پر زور سے ہنسا تھا۔ اُس کے کالے گھنے سیاہ بالوں والا سر اور آدھا چہرہ امن کی نگاہوں کی رسائی میں تھا۔ امن کا دل جذبات کی یورش سے بوجھل ہو رہا تھا۔ امن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ درمیانی فاصلہ پاٹ کر منحوس دوری کو دور اُچھال دے۔ ہر طرف وہی دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اتنا بھرپور اور مکمل تھا کہ ہزاروں میں نمایاں جھلکتا تھا۔ اُسے دیکھ کر اپنائیت کا احساس جاگتا تھا۔ اُس کا ہونا تقویت کا باعث تھا۔ اُس کے وجود سے خوشبوئیں بکھر رہی تھیں۔ وہ مسحور سی اپنے اطراف سے بےگانہ بس اُسے ہی تکے جارہی تھی۔ دھڑکن کو سنبھالتی بےحال ہو رہی تھی، تبھی وہ نایاب لودھی کو گلے مل کر پلٹا اور اُس کی امن سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ سجاد بلوچ کی آنکھوں میں شناسائی کی لہر اُبھری پھر اُس کے لبوں پر دھیمی مسکان آن رکی۔

''کیسی ہو، فون نمبر۔'' اُس نے کہا تو امن نے میکانکی انداز میں اپنا نمبر کہہ سنایا۔ سجاد نے سیل فون کی چمکتی اسکرین پر نمبر لکھا اور پھر یس کا بٹن دبایا۔ اگلے ہی لمحے امن کے سیل فون پر 'بے بی ڈول میں سونے دی' کی آواز اُبھری امن کی آنکھیں بے پایاں مسرت کا احساس لیے چمکنے لگیں۔

''شام کو فون کروں گا۔'' سجاد نے امن کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ گہری وارفتگی، والہانہ پن، جاں نثاری کیا کچھ نہیں تھا سجاد کی آنکھوں میں، اور کیسے پل پل بدلتے رنگ تھے۔ چہرے کا تاثر معنی رکھتا تھا۔ نگاہوں کی حدت وتپش، بند لبوں کی گویائی، کچھ بھی نہیں بولا مگر جیسے سب کچھ کہہ دیا۔ نظروں کا تصادم دل کے پیغام، دل کی بے چینی و بے کلی کا پیغام بن رہا تھا۔ سارے جذبے آشکار ہو گئے تھے۔

''او کے چلتا ہوں بائے۔'' وہ گھوما اور چلا گیا۔ امن کے دل کی دھڑکنیں یک دم ہی تھمنے لگی تھیں۔ ہر منظر دھندلانے لگا۔ وہ جو پیار، محبت، عشق، جنون جیسے ان لفظوں سے آشنا نہیں تھی۔ تب تک سب ٹھیک تھا، جب تک اُسے کسی کی پروا نہیں تھی۔ محبت کی خودرو کونپل نے دل کی سرزمین سے سر کیا نکالا سب کچھ بدل رہا تھا۔ تڑپ جاگتی ہے تو تن من پیاسا صحرا بن جاتا ہے۔

وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ امن کی آنکھوں میں دھند اُتر آئی اور پہلو میں دل جیسے سرکشی و بغاوت پر آمادہ ہو کر سجاد کے پیچھے لپک رہا تھا۔

''یہاں کیوں کھڑی ہو، کلاس نہیں لینی کیا؟'' نیہات ضمیر کی آواز قریب سے ہی اُبھری تھی مگر وہ متوجہ ہی کہاں تھی۔ وہ مسلسل کالج گیٹ کی طرف دیکھے جا رہی تھی، جہاں سے ابھی ابھی وہ ساحر گزر کر گیا تھا۔ امن کو کچھ بھی ہوش نہیں تھا، وہ کہاں ہے کیسی ہے، محبت یوں ہی تو ہر چیز سے بے گانہ کر دیا کرتی ہے، لاتعلق واجنبی۔ ابھی تو خود حیران تھی۔ ابھی تو وہ ہاتھ چھڑانے والی ہی تھی۔

''امن، آر یو آل رائٹ۔'' نیہات نے نرمی سے پکارا۔ امن چونکی جیسے نیند سے جاگی ہو۔ خالی خالی نگاہیں، بوکھلا کر رہ گئی۔

''ہاں، ٹھیک ہوں۔'' امن عجلت میں کہہ کر رُکی نہیں۔ نیہات نے اچنبھے سے امن کے بکھرے حواسوں کو سوچا پھر سر جھٹک کر وہیں درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور تادیر آنکھیں موندے غافل سا کھڑا رہا۔

☆......☆......☆

حمزہ اور حذیفہ ایک چھوٹی سی بال کے پیچھے لڑ رہے تھے۔ لبنیٰ اور فرقان اُن کی نوک جھونک دیکھ رہے تھے، تبھی حذیفہ نے حمزہ کو گرا کر بال اُس سے چھین لی تو حمزہ رونے لگا۔ لبنیٰ نے بھاگ کر روتے ہوئے حمزہ کو اٹھایا اور اُس کی کمر سہلانے لگی۔

''غلط بات بیٹا، مل کر کھیلو، لڑتے نہیں ہیں۔'' لبنیٰ نے نرمی سے حذیفہ کو تنبیہ کی۔

''مما سوری۔'' حذیفہ نے شرمندہ ہو کر کہا۔

''مما یہ بھائی حذیفہ اکثر میرے ساتھ زیادتی کر جاتا ہے۔'' حمزہ بسورا۔

''بری بات ہے میری جان، چلو گلے ملو، صلح کرو، اچھے بچے لڑائی جھگڑا نہیں کرتے، اور بھائی بھائی کا رشتہ تو انمول ہوتا ہے۔'' لبنیٰ نے دونوں کو پکڑ کر قریب کیا۔ ایک کے چہرے پر شرمندگی تھی اور دوسرے کے غصہ، لبنیٰ اور فرقان نے حمزہ کے غصے سے تمتماتے گالوں کو چھوا۔ حمزہ سے حذیفہ نے سوری بولا پھر بانہیں پھیلا دیں کچھ دیر پھولے منہ کے ساتھ وہ گریزاں رہا پھر گلے لگ گیا۔ لبنیٰ اور فرقان نے تالیاں بجا کر خوشی کا اظہار کیا۔ بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں، جو سکھاؤ سیکھ جاتے ہیں۔ جو اُن کے دل و ذہن میں بھرتے جاؤ پھر وہی باہر آتا ہے۔ اچھا یا برا

، یہ بھرنے والے پر منحصر ہے کہ وہ کیا بھرتا ہے۔ اچھائی، نیکی، صلۂ رحمی یا تنفر، حقارت، انتقام، غصہ و عداوت، ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔

بچے اب اُسی بال کے ساتھ دوبارہ کھیل رہے تھے، چند لمحے بیشتر ہونے والی بدمزگی کا نام و نشان بھی اُن کے رویوں میں نہیں جھلک رہا تھا۔ کوئی چپقلش نہیں تھی۔

''چائے بناؤں آپ کے لیے۔''

''ہاں یار، اور ایک ٹیبلٹ بھی، سر میں درد ہو رہا ہے اسی لیے جنرل اسٹور سے جلدی اُٹھ آیا۔''

''میں ابھی آئی۔'' لبنیٰ نے فریج سے دودھ نکالا اور کچن میں چلی آئی۔ ٹھیک دس منٹ بعد وہ چھوٹی سی ٹرے میں جب ایک کپ چائے ایک گلاس پانی لے کر آئی تو دیکھا فرقان کے ہاتھ میں اخبار تھا اور وہ گہری سوچوں میں مستغرق تھا۔

''یہ لیں جناب چائے۔'' لبنیٰ نے ٹرے صوفے کے سامنے رکھے میز پر رکھی اور ٹیبلٹ فرقان کی ہتھیلی پر رکھ کر پانی کا گلاس تھمایا۔

''صبا کتنی پیاری بچی ہے نا؟'' فرقان نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا تو لبنیٰ نے چونک کر دیکھا۔ یہ دوسرا موقع تھا جب فرقان نے صبا کی تعریف کی تھی۔ لبنیٰ کو اچھا نہیں بہت اچھا لگا۔

''جی بہت کیوٹ ہے اور قابل بھی۔''

''ہوں......'' فرقان کی مبہم سی 'ہوں' بھی لبنیٰ کو معنی خیز لگی تھی۔ یہ خوش آئند بات تھی کہ فرقان کا طرزِ عمل مثبت ہو رہا تھا۔ لبنیٰ کے دل سے اچھی اُمیدیں بندھ گئی۔

''یہ چائے......'' لبنیٰ نے کپ اُسے تھمایا۔ فرقان کپ پکڑ کر چائے کی چسکیاں لینے لگا مگر اب بھی صبا کا معصوم چہرہ، جاذب نقوش فرقان کے دل کو گدگدا رہے تھے۔

''نجانے کیوں مگر میرا دل کرتا ہے کہ میں......''

''کیا دل کرتا ہے۔'' لبنیٰ نے فرقان کے ادھورے جملے کو مکمل کرنے کے لیے سوال کیا۔

''میں تذبذب کا شکار ہوں لبنیٰ، ورنہ دل چاہتا ہے صبا کو گلے لگا کر پیار کروں، اُس کی محنت پر، اُس کی کامیابی پر اُسے سراہوں، اُسے انعام دوں مگر......''

''مگر کیا فرقان......'' لبنیٰ نے مزید بولنے پر اُکسایا۔ لبنیٰ اِس سے فرقان کے اندر ہلچل مچاتی کیفیات کو سمجھ رہی تھی۔ لوہا گرم تھا اور لبنیٰ اپنی طرف سے گرم لوہے پر ضرب لگانا چاہتی تھی۔ اچھا موقع تھا۔

''مگر......اتنے فاصلے، اتنی دوریاں ہیں کہ بس ایسا ممکن ہوتا دکھائی نہیں دیتا۔''

''دنیا کا ہر کام مشکل ضرور ہے ناممکن تو قطعی نہیں، فاصلے مٹائے بھی تو جاسکتے ہیں نا۔ دوریاں نزدیکیوں میں بھی تو بدل سکتی ہیں نا۔'' فرقان کی صبا کی ذات میں دلچسپی نے لبنیٰ کا بھی حوصلہ بڑھا دیا تھا۔ جو وہ ایسے بات کر رہی تھی ورنہ فاخرہ اور اُس کی اولاد کے دفاع میں بولنے کی کب اجازت تھی۔

''مگر رحمان......'' فرقان اٹکا۔

''رحمان بھائی کو تو خدا واسطے کا بیر ہے اُن سے، نجانے کیا حد ہے اُن کی نفرت و بے گانگی کی۔ صبا تو آپ لوگوں کا اپنا خون ہے۔ اُس کی حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔ اتنی ہونہار بچی ہے۔''

''ہاں میں ملوں گا صبا سے، میرے لیے وہ امن جیسی ہے اور میں اُسے انعام بھی ضرور دوں گا۔''

''کب ملیں گے؟'' لبنیٰ کا چہرہ مسکرانے لگا۔ اُس کی خوشی کے مارے آنسو نکلنے لگے۔

''پتا نہیں۔''

''کیا انعام دیں گے۔''

''یہ بھی نہیں پتا۔'' فرقان نے کہا۔ مگر لبنیٰ کی

خوشی دیدنی تھی۔ فرقان کی صبا کے لیے تڑپ خوش آئند بات تھی۔ ابھی وہ رحمان سے ڈر رہا تھا شاید کبھی صبا کی یا اُس کے بہن بھائی کی محبت فرقان کے دل میں غالب آجائے اور رحمان کا ڈر مغلوب ہوجائے۔ شاید کبھی ختم ہی ہوجائے۔ لبنٰی پُر امید تھی۔ فی الفور جو کچھ فرقان نے محسوس کیا تھا وہ بھی کمال کامیابی تھی۔

لبنٰی جانتی تھی کہ فرقان نے جو کچھ کہا ہے وہ اُس پر عمل بھی ضرور کرے گا۔ وہ اُس کی شریکِ سفر تھی اور فرقان کی مزاج آشنا بھی۔ جانتی تھی وہ اپنے قول کا سچا ہے۔ جو کہتا ہے کرتا بھی ہے۔ اپنے ارادوں کا اٹل ہے۔ جو ٹھان لے وہ کر دکھاتا ہے۔

☆......☆......☆

احتشام والے واقعے کی وجہ سے عجیب سی سوگوار فضا تھی اسی لیے اِن دونوں گھرانوں نے گھومنے کا پروگرام بنالیا تاکہ اُداسی دور ہوجائے۔ رحمان اپنے کام کے سلسلے میں لاہور جارہا تھا۔ اُس نے اِن لوگوں کو بھی تیار ہونے کا کہہ دیا۔ عروہ اور امن بے تحاشا پُر جوش تھیں۔ چھوٹے لڑکے بھی لاہور دیکھنے کا اشتیاق رکھتے تھے۔ پہلی بار لاہور جارہے تھے۔

اُن کا دو دن کا ٹور تھا۔ احتشام سب عزت افزائی (مارکٹائی) بھول بھال کر تیاری میں مگن تھا۔ رحمان کا ارادہ ہوٹل میں ٹھہرنے کا تھا۔

پروگرام دونوں گھروں میں ترتیب دیا جارہا تھا۔ لڑکیاں تیاریاں کرنے لگیں کہ کون کون سے کپڑے پہن کر جانا ہیں اور کون کون سے ساتھ لے کر جانا ہیں۔ امن اور عروہ آپس میں ڈسکس کر رہی تھیں۔ جبکہ فروا اس پروگرام سے آگاہ نہیں تھی۔ وہ اب بھی اریز چوہدری کے پاس تھی۔

فروا رحمان بہت سے مہکتے خوابوں کی اُنگلی تھامے گھر میں داخل ہوئی تھی۔ خوش باش، بے فکر، وہ زندگی کو ایسے ہی دیکھتی تھی، جیسے ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر لہروں کا رقص دیکھتے ہیں۔ لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس بات سے قطعی بے خبر کہ سمندر اپنے اندر کتنے طوفان چھپائے بیٹھا ہے۔ سمندر میں سیپ ڈھونڈنے نکلیں تو کبھی کبھی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

’’ہیلو مما......‘‘ فروا نے خوش دلی سے کہا۔ عائشہ شاید سو کر اٹھی تھی۔

’’آ گیا میرا بچہ۔‘‘ عائشہ نے آگے بڑھ کر لاڈ سے کہا۔ فروا چہکتی ہوئی عائشہ کے گلے کا ہار بن گئی۔

’’بڑا پیار آرہا ہے آج ماں پر، خیر تو ہے نا۔‘‘ عائشہ نے آبرو اُچکا کر کہا۔

’’مجھے تو ہمیشہ سے آپ پر ایسے ہی پیار آتا ہے۔‘‘ فروا نے عائشہ کا گال چوم کر کہا۔

’’اب جلدی سے بتادو کہ کیا چاہیے۔ کیوں مسکہ لگایا جارہا ہے۔‘‘ وہ بھی ماں تھی۔

’’گاڑی، نئی نکور، اپنی ذاتی۔‘‘ فروا نے بھی ٹال مٹول سے کام نہیں لیا بے دھڑک کہہ ڈالا۔

’’الگ سے گاڑی کیا کرنی ہے، یہ پاس ہی تو تمہارا پارلر ہے۔‘‘

’’میں اپنی ذاتی گاڑی لینا چاہتی ہوں بعد میں، میں اپنا ذاتی سیلون بناؤں گی، ابھی تو میں کام سیکھ لوں، بعد میں اس حوالے سے فیصلہ کروں گی کہ میں کس شہر کے کس علاقے میں سیلون کھولوں۔‘‘ وہ قطعیت سے سارے فیصلے کرکے اب بس سُنا رہی تھی۔ کوئی رائے یا اجازت نہیں مانگ رہی تھی۔ مشورہ بھی نہیں کر رہی تھی۔ بس بتا رہی تھی اور عائشہ بس آنکھیں کھولے ٹکر ٹکر دیکھے جارہی تھی۔ عائشہ کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے، تائید کرے یا تردید اُس کے خیال کی۔ عائشہ کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی پھر سر جھٹک کر سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

(اس خوب صورت ناولٹ
اگلی قسط آئندہ ماہ ملاحظہ کیجیے)